مرثیہ

حضرت عباس علمدار علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام

ترتیب و پیشکش: سید

0333-
[illegible]

جب گھوڑے کو دریا میں علمدارؑ نے ڈالا
لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہہ وبالا
یاد آگئی بس تشنگیء سیدِ والا
رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

دریا تو ادہر اور اُدہر لشکرِ قہار
مشکیزہ لیئے بیچ میں تنہا وہ علمدارؑ
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھار
جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
طوفاں تھا طلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا اِدہر خاتمہء جنگِ علمدارؑ
بسمل سے تڑپتے تھے اُدہر سیدِ ابرار
رو کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ ستمگار
گر کر کبھی چلاتے تھے ہے ہے میرے غمخوار
بھائی کی صدا سُن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی
شہؑ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہے بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
مشکیزے کے لے آنے پہ ہوتی ہے لڑائی
خونخواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے
دریا کی ترائی میں میرا شیر گھرا ہے

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجہء عباسؑ
کیوں بیبیو بچے میرے کیا ہوگئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس
اے وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
وہ فوج کا نرغہ وہ ہجومِ الم و یاس
ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے کماندار تو رُک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ

ماتم تھا اِدھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ
واں چلتے تھے عباسِ علیؑ پر تبر و تیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تو لے ہوئے شمشیر
ہر سمت سے اُمڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
شمشیر بکف بیچ میں ابنِ اسداللہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ
شاخِ شجرِ باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دودم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

گرنے لگا جسدم علمِ سیدِ والا
عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا
بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شیر نے ڈالا

خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہوگیا سر حضرتِ عباسِ علیؑ کا

کچھ گرزِ گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
نیچے جو گرے آپ کھڑا ہوگیا گھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا

پانی جو گرا عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

ناگاہ یہ آوازِ علی دشت سے آئی
شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
چلائی یہ زینبؑ کہ دھائی ہے دھائی
حضرت نے کہا لُٹ گئی بابا کی کمائی

تشریف شہِ ہردوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ

جب ہاتھ قلم ہوگئے سقائے حرم کے
اورعرشِ بریں ہل گیا گرنے سے علم کے
مشکیزے میں پیوست ہوئے تیر ستم کے
مِندیل گری سر سے شہنشاہِ امم کے

غل پڑگیا سقائے سکینہؑ ہوا زخمی
نیزے سے جگر تیر سے سینہ ہوا زخمی

پھر دیکھ کہ دریا کو یہ آواز سنائی
آواز نہیں دیتے ہو کیا مرگئے بھائی
آواز کے ساتھ انکی بھی آواز یہ آئی
آقا میرے جلد آؤ بہت دیر لگائی

مشکل سے بلند اتنی بھی آواز ہوئی ہے
اب موت کی ہچکی ہمیں آغاز ہوئی ہے

اتنے میں ترائی سے اٹھا شور قضارا
تب ایک بلندی سے کیا شہ نے نظارا
ہاتھوں سے کمر تھام کے زینبؑ کو پکارا
لو بہنا ترائی میں گھرا شیر ہمارا

بے اُنکے تو اب زیست گوارا نہیں زینبؑ
سب مرگئے اب کوئی ہمارا نہیں زینبؑ

دوڑے طرفِ نہر یہ کہتے شہہِ تنہا
ہے ہے میرے مونس میرے عاشق میرے شیدا
لاشے پہ جو پہنچے تو گرے سیدِ والا
روکر کہا اے نام و نشانِ اسداللہ

ہم آئے ہیں اور آنکھوں کو کھولا نہیں جاتا
کیا درد ہے سینے میں جو بولا نہیں جاتا

بھائی کہا فرزند کہا اور مددگار
اِس پر بھی کسی نام پہ بولے نہ علمدارؑ
دیکھا شہہؑ والا نے کہ لب ہلتے ہیں ہر بار
جھک کر جو سنا آہ تو کرتے ہیں یہ گفتار
نعلین اتارو تو قدم بوس میں ہولوں
اور کہہ کے غلام اپنا پکارو تو میں بولوں

شہہؑ بولے کہ کچھ حد بھی غلامی کی ہے بھائی
بچپن سے تو ابتک میرے نعلین اٹھائی
کچھ آرزوئے دل کہو اے حق کے فدائی
وہ بولے کہ قسمت میں نہ تھی آج رسائی
شہزادیء سلطانِ مدینہ رہی پیاسی
سقہ میں بنا آہ سکینہؑ رہی پیاسی

ہے عرض یہ اور آخری ارمان بھی سن لو
جب حشر میں جبریلؑ کو یہ حکمِ خدا ہو
ہاں لاؤ غلامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو
اُس غول کے آگے میں ہوں اے سیدِ خوشخو
دامانِ علم سب کو اُڑھاتا ہوا آؤں
پانی تیرے شیعوں کو پلاتا ہوا آؤں

لو عترتِ اطہار خدا حافظ و ناصر
لو اکبرؑ دلدار خدا حافظ و ناصر
لو عابدؑ بیمار خدا حافظ و ناصر
لو اے شہِ ابرارؑ خدا حافظ و ناصر
شہزادیو بطحا و مدینہ کو نہ جانا
آقا میرے لاشے پہ سکینہؑ کو نہ لانا

اور ایک یہ حسرت میری عابدؑ کو سنانا
پیارے میرے جب گورِ غریباں تُو بنانا
تو لا کے سکینہؑ کو ترائی میں بٹھانا
صدقے کی طرح گرد میری لاش پھرانا

تلقین میں کہیو مجھے شیدائے سکینہؑ
اور قبر پہ لکھ دیجیو سقائے سکینہؑ

تب شہؑ نے اٹھایا وہ علم خاک سے رو کر
پھر خون سے بھائی کے پھریرے کو کیا تر
اور مشک چھدی باندھ دی پنجے کے برابر
اکبرؑ سے کہا چل کے پھپھی سے کہو دلبر

در پر رکھو سر کھولے ہوئے آلِ نبیؐ کا
دریا سے علم آتا ہے عباسؑ علیؑ کا

جب آفتابِ روزِ شہادت عیاں ہوا
فارغ نمازِ صبح سے پیر و جواں ہوا
اک شورِ طبلِ جنگ اُدھر ناگہاں ہوا
ہر ناصرِ حسینؑ اِدھر شادماں ہوا

پیشِ نظر تحفظِ دینِ رسولؐ ہے
اس راہ میں ہر اک مصیبت قبول ہے

دشتِ بلا میں گرمیء روزِ حساب ہے
اور ریگِ گرم پر شہِ گردوں جناب ہے
اک قلبِ مطمئن پسرِ بوترابؑ ہے
اور کیوں نہ ہو یہ جانِ رسالتمآب ہے

نکلا ہے گھر سے دیں کو بچانے کے واسطے
سب کچھ راہِ خدا میں لٹانے کے واسطے

جب لاشہء قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا

قبضے کیطرف غیض سے جرار نے دیکھا
منہ بھائی کا روکر شہِ ابرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا

عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
رونے لگے شہؑ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانوؑ نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر

تیغوں سے عجب سروراں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا
اسطرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
سرورؑ سے علمدارؑ جدا ہوتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
اُودے ہوئے جاتے تھے لبِ لال یہ تھی پیاس
زینبؑ نے کہا آتی ہے لو عاشقِ عباسؑ
عباسؑ نے گودی میں لیا بڑھ کے بصد یاس

عباسؑ نے روکر کہا کیا چاہیے جانی
شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
اللہ بجھائیگا تیری تشنہ دہانی

بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے
لو گود سے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

یہ سنتے ہی اُس پیاسی میں اک جان سی آئی   عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی   مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و مسرور
رو رو کے وہ کہنے لگی شبیرؑ کی جائی   اور آگے میری جان جو اللہ کو منظور
میں رن میں چلی آؤنگی گر دیر لگائی   مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
جلد آؤنگا دریا سے یہ فرما کے سدھارو   تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو   وعدہ کریں کیونکر کہ بھروسہ نہیں دم کا

لڑتا ہوا پہنچا لبِ دریا جو وہ جرار   لکھا ہے کہ اک تھا بنِ ورقہ ستم آرا
تھا دوشِ مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار   تیغ اسکی لگی دوشِ مبارک پہ قضارا
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار   بے دست ہوا حیدرِ کرار کا جایا
چھیڑا جو ذرا اڑُ کے گیا نہر پہ رہوار   احمد کا نشاں خون میں تر ہوگیا سارا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ   دیکھو تو ذرا جراتِ سقائے حرم کو
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ   تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو

یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر   فضہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی
رونے میں لگے دیکھنے شہؑ خیمے کو مڑ کر   تھرانے لگا نزع میں وہ شہؑ کا فدائی
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر   شہؑ سے کہا یاں آتی ہے کیا آپ کی جائی
چلاتی ہے فضہ علی اکبرؑ علی اکبرؑ   دامن سے میرے منہ کہ چھپا لیجئے بھائی
اب دخترِ سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی   یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
عباسؑ سے کہدو کہ سکینہؑ نہیں تھمتی   منہ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ

مومنو راوی جاں سوز یہ کرتا ہے رقم
دفن جب کر چکے اصغرؑ کو شہنشاہِ اممؑ
بولے اعدا سے میری زیست میں عرصہ ہے کم
اب تو خیمے میں بھی جانے کے نہیں قابل ہم

ابھی یہ کہہ نہ چکا تھا پسرِ شاہِ نجف
سو ہزار اہلِ جفا ٹوٹ پڑے تیغ بکف
سب کمانداروں کے تیر اور دلِ شبیرؑ ہدف
گرد جلاد تھے اور بیچ میں زہراؑ کا خلف

علی اصغرؑ نہ ہو منہ بانوؑ کو دکھلاؤں میں
اب تو سر کاٹ لو دنیا سے گزر جاؤں میں

ہو کے بیہوش گرے جب شہِ دیں گھوڑے سے
ساتھ ہی کود پڑا شمرِ لعیں گھوڑے سے

آیا غصے میں قریں شاہؑ کے وہ بداختر
تیغ اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں کھینچے خنجر
بے ادب نے جو یہ چاہا کہ چڑھے سینے پر
شاہؑ چپکے سے یہ بولے کہ ٹھہر شمر ٹھہر

کہہ تو دوں آگے عمل اُس پہ تو کر یا نہ کر
شمر بولا کہ بھلا خیر کہو اے سرورؑ
کہا شہؑ نے کہ میں جب قتل ہوں زیرِ خنجر
قبلہ رُو لاش لٹا دینا اُڑھا کر چادر

سُن لے دنیا میں میرے بعد تجھے رہنا ہے
تجھ سے کچھ اپنے یتیموں کیلیئے کہنا ہے

اور اتنا تو میری روح پہ احساں کرنا
دیکھ سیدانیوں کے سر کو نہ عریاں کرنا

الغرض قید بھی تُو کیجوء رانڈوں کو مگر بیٹی اک تین برس کی ہے سکینہؑ میری آہ
منہ چھپانے کیلئے دیجیو اک اک چادر دیکھ تو اسکو طمانچے نہ لگانا گمراہ
تیسرے فاقے سے ہیں سب حرمِ پیغمبرؐ میں نے نازوں سے اسے پالا ہے خالق ہے گواہ
فاقہ تڑوائیو ان سب کا برائے داور وہ جو روئے نہ گھڑکنا نہ گھڑکنا واللہ

پیاسے بچوں کو میرے پانی ذرا سا دینا کل تلک تھی یہ میرے سینے پہ سونے والی
اور اگر پانی نہ دینا تو دلاسا دینا آج ہے صاحبِ ماتم مری رونے والی

بغض مجھ سے تھا سو اب میں تو زمانے سے چلا شمر بولا کہ سکینہؑ کو بہت چاہتے ہو
رہا عابدؑ سو وہ بیمار ہے محتاجِ دوا شہؑ نے فرمایا کہ ہاں سب سے ہے پیاری مجھکو
ہے ورم پاؤں پہ نازک ہے بہت اسکا گلہ سنگدل بولا کہ بس خیر تم اب کچھ نہ کہو
طوق اور بیڑیاں بھاری نہ ہوں اے اہلِ جفا میں نہیں سنتا سکینہؑ کی سفارش نہ کرو

پاس کرنا نہ میرا خوفِ الٰہی کرنا میں طمانچہ اسے مارونگا گھڑک بھی دونگا
تازیانہ کوئی مارے تو منع ہی کرنا جتنی دیجائیگی ایزا میں سب اسکو دونگا

دھیان میں آپ کے کہنے کو نہ لاؤنگا میں
ننگے سر آلِ پیمبرؐ کو پھراؤنگا میں
گھر تو کیا مسندِ شبیرؑ جلاؤنگا میں
طوق اور بیڑیاں عابدؑ کو پنہاؤنگا میں

شاہؑ رونے لگے اور سینے پہ جلاد چڑھا
آئی زینبؑ کی صدا ہائے برادر میرا
خوف شہؑ کو ہوا زینبؑ کے نکل آنے کا
دیکھ کر شمر کو شہؑ نے سوئے خیمہ دیکھا

بے ردائی تو ہے ناموسِ پیمبرؐ کیلئے
تازیانہ ہے فقط عابدِؑ مضطر کیلئے

لب نہ ہل سکتے تھے جو کہتے کہ جاؤ زینبؑ
ہاتھ اٹھا کر کہا ڈیوڑھی پہ نہ آؤ زینبؑ

الغرض شمر نے حلقوم پہ پھیرا خنجر
بال کھولے ہوئے زینبؑ نکل آئی باہر
پہنچی اس وقت مگر آ نکے جب لاشے پر
جبکہ نیزے پہ چڑھاتا تھا عدو شاہؑ کا سر

جب لاشہء قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا

قبضے کیطرف غیض سے جرار نے دیکھا
منہ بھائی کا روکر شہِ ابرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا

روکے چلائی کہ میداں میں بھی آئی زینبؑ
اور بھائی کے گلے ملنے نہ پائی زینبؑ

تیغوں سے عجب سروراں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

رخصت حرم کی ہے شہِ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
دیکھا کئے سکینۂ کو حسرت و یاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہِ حق شناس سے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے

کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

عمو تمہارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب
بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون روکے اب
تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب
مرنا شباب میں علی اکبرؑ کا ہے غضب

سن کر مصیبت پدرِ بیکس و حزیں
بولی بلائیں باپ کی لیکر وہ مہہ جبیں
بابا سوائے آپکے میرا کوئی نہیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دیں

تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اِیکدم میں لُٹ گئے

صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
لِللہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہؑ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار
اس دشتِ کیں میں قید ہے زہراؑ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کے خط لیکے آتے ہیں
سرکاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

جانا ہو دور شب کو جو آنا نہ ہو اِدھر
ضد کرکے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر
سورہیو ماں کی چھاتی پہ غربت میں رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہاکے یہ کہنے لگے امامؑ
کُھل جائیگا یہ دردوالم تم پہ تابہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

مومنو مرنے کو میدان میں جاتے ہیں حسینؑ
بیبیاں روتی ہیں ہتھیار سجاتے ہیں حسینؑ
منہ سے منہ بالی سکینہؑ کے ملاتے ہیں حسینؑ
اشکِ خوں چشمِ مبارک سے بہاتے ہیں حسینؑ
چاند سے جسم پہ کپڑے ہیں کفن کی صورت
نگاہِ یاس سے تکتے ہیں بہن کی صورت

رو کے فرماتے ہیں خواہر سے کہ بہنا آؤ
اس مسافر کے کلیجے سے ذرا لگ جاؤ
تمہیں زہراؑ کی قسم ہے نہ پچھاڑے کھاؤ
تھی میں بن بھائی کی اب دل کو یہی سمجھاؤ
اپنے کنبے کی جدائی کسے خوش آتی ہے
کیا کروں مجھ کو اجل چھین لئے جاتی ہے

اے میرے فاقہ کش و بیکس و نادار بہن
اے میرے عاشق و صابر میری غمخوار بہن
اے میری دامِ مصیبت میں گرفتار بہن
بھائی دنیا سے چلا گھر سے خبردار بہن
جب میرا سینہ ہو تیغوں کا نشانہ زینبؑ
بال کھولے ہوئے میداں میں نہ آنا زینبؑ

یہ وصیت تمہیں کرتا ہوں رہے اسکا خیال
لوٹ لیں گے میرے بعد آ کے یہ گھر بدافعال
منہ سے جز شکر نہ کچھ بولیو اے نیک خصال
چھین لیں گے جو ردا چہرے پہ بکھرائیو بال
میری خاطر سے یہ سب رنج اٹھانا زینبؑ
پر سکینہؑ کو طمانچوں سے بچانا زینبؑ

سر کٹانے کی میرے اُس کو خبر ہو نہ کہیں
ورنہ مرجائیگی رو رو کے سکینہؑ غمگیں
بن میری چھاتی کے اُسکو کبھی نیند آئی نہیں
رن میں اب پاؤں دھرے گا میری چھاتی پہ لعیں
کون اِس بچی کا ہے ناز اٹھانے والا
ذبح ہوجائیگا جینے پہ سلانے والا

رحم آتا ہے مجھے اسکی یتیمی کا بہن
آج بن باپ کی ہوجائیگی یہ تشنہ دھن
مجھکو معلوم ہے جو دُکھ اسے دینگے دشمن
ہے غضب باندھینگے ان چھوٹے سے ہاتھوں میں رسن

چھوڑو بابا مجھے کہہ کر جو یہ چلائیگی
قبر میں فاطمہؑ کی روح تڑپ جائیگی

بھائی ممکن نہیں دوں آپکو مرنے کی رضا
مجھ کو پردیس میں برباد نہ کیجو بھیا
ہوں میں بن باپ کی بن ماں کی یہ ہے رحم کی جا
اب تو کوئی میرا وارث نہیں حضرت کے سوا

کسکو داغ اپنے کلیجے کے دکھاؤں ہے ہے
اپنی اماں کو کہاں ڈھونڈنے جاؤں ہے ہے

شہِ مظلوم نے کس درد سے کی یہ گفتار
واحسیناؑ کی ہوئی آلِ پیمبرؐ میں پکار
گر پڑی بھائی کے قدموں میں بہن بادلِ زار
کہتی تھی آپکی غربت پہ یہ بہنا ہو نثار

ابھی رخصت کا سخن منہ پہ نہ لانا بھائی
دم میرا تن سے نکل جائے تو جانا بھائی

جب آئی صبحِ قتلِ امامِ فلک وقار
زینبؑ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتی تھیں بار بار
پردیسیوں پہ رحم کر اے میرے کردگار
کیونکر جیونگی بھائی سے چھٹ کر میں سوگوار

سارا جہاں سیاہ ہے چشمِ پُرآب میں
سرننگے میں نے دیکھا ہے اماں کو خواب میں

تھا اہلبیتؑ میں یہ طلاطم کہ ایکبار
گزری وہ شب سحر ہوئی مشرق سے آشکار
پڑھ کر نمازِ صبح امامِ فلک وقار
رخصت کو آئے خیمے میں با چشمِ اشکبار

فرمایا کیوں فلک پہ اثر کس کے غم میں ہے
زندہ ہوں میں ابھی میرا ماتم حرم میں ہے

چھاتی سے پھر بہن کو لگا کر کہی یہ بات
زینبؑ میں جانتا ہوں کہ تڑپی ہو ساری رات
موت آئیگی ضرور اسے جو ہے ذی حیات
پھر حاصل اس سے کیا کہ یہ دنیا ہے بے ثبات

ماں کو پدر کو بھائی کو ہاتھوں سے کھو چکیں
تم تو کئی بزرگوں کو اس گھر میں رو چکیں

سر کو پٹک پٹک کے جو حضرت ہو نوحہ گر
مرجاؤ گی تو اور بھی برباد ہوگا گھر
تھامے گا کون ہوئیں گے بچے جو بے پدر
پیٹے گا کون ماتمی صف میں برھنہ سر

ذی رتبہ ہو بتولؑ کی نازوں کی پالی ہو
تم ہم سے بیکسوں کی بہن رونے والی ہو

چلائی اس بیان کو سن کر وہ ایکبار
وا حسرتا کہ مرگئی یہ جگر فگار
میرے ہی تھا نصیب میں سب گھر کا کاروبار
ماتم میں روؤں سب کے بنوں سب کی سوگوار
غربت میں جب سفر میرا دنیا سے ہوئیگا
رونا تو اسکا ہے کہ مجھے کون روئیگا

میں جانتی تھی موت کا جب آئیگا پیام
یٰس پڑھیگا میرے سرھانے میرا امامؑ
ہوگا بڑا نمازِ جنازہ کا اہتمام
لاشے پہ آکے روئیں میرے اقربا تمام
بن باپ کی ہوں میں میرے کام آئینگے حسینؑ
اماں کی پائنتی مجھے دفنائینگے حسینؑ

ہے شمع کربلا میں جو قندیلِ دیں ہوئی
ظلمت ہر اک سمت محیطِ زمیں ہوئی
کعبے کی سمت فاطمہ مسند نشیں ہوئی
بیتاب روحِ مرشدِ روح الامیں ہوئی
غل تھا ستونِ عرشِ امامت گرادیا
یعنی چراغِ بزمِ نبوت بجھادیا

دنیا میں تو علامتِ محشر تھی آشکار
مقتل میں ذوالجناحِ شہِ دیں تھا بے سوار
پھرتا تھا گرد لاشہء سید کے بار بار
جیسے پسر کی لاش پہ مادر ہو بے قرار
کہتا تھا اے حسینؑ کہاں تجھ کو پاؤں میں
بن تیرے خیمے گاہ میں کس طرح جاؤں میں

جس دم چلے تھے خیمے سے تم سوئے قتل گاہ
میرے سُموں سے لپٹی تھی آ کر سکینہؑ آہ
میں رک گیا تھا پاسِ ادب سے میانِ راہ
مولا نے اُسکو پیار کیا اُس گھڑی وہ آہ
خالی جو اب سکینہؑ کے آگے میں جاؤنگا
پوچھے گی وہ جو آپکو میں کیا بتاؤنگا

کہتے ہیں دفن شاہ نے اصغرؑ کو جب کیا
دفنایا اُسکی لاش کو تھا پھاڑ کر عبا
اور اُسکا کرتا زین پہ گھوڑے کے رکھدیا
یعنی کہ بانوؑ جان لے اصغرؑ ہوئے فدا
راہی جو گھر کو اسپِ شہِ دیں پناہ ہوا
تھا زین پر وہ چھوٹا سا کرتا ڈھلا ہوا

زینب کھڑی تھی منتظر شاہِ کربلاؑ
ناگاہ آئی پشت جو گھوڑا نظر پڑا
چھوٹا سا کرتا غرق بخوں تیروں پر دھرا
تیروں کے پھل تھے زین میں پیوستہ جا بجا
تھا تنگ تو کٹا ہوا اُس خوش خرام کا
اور خاک پر لٹکتا تھا تسمہ لگام کا

زینبؑ نے پوچھا تعزی یہ کیا ماجرا ہوا
اصغرؑ کو لے گئے تھے حسینؑ اُسکو کیا ہوا
جیتا ہے یا نشانہء تیرِ جفا ہوا
کُرتا ہے تیری زین پہ کِس کا لگا ہوا
بھیجا ہے تجھ کو شہؑ نے کفن کی تلاش کو
کیا بھائی دفن کرتے ہیں اصغرؑ کی لاش کو

ٹکرا کے سر کو خاک پہ بولا وہ رہوار
میں بے سوار ہوگیا مارا گیا سوار
کیا پوچھتی ہو بیکسیء شاہِ ؑ نامدار
جب کھائے زخم نوسدو پنجہ و یک ہزار

اُس وقت آ کے سینے پہ شمرِ لعیں چڑھا
خنجر رکھا گلے پہ تو کی چشم شہ نے آہ
کس بیکسی سے شاہؑ نے پانی طلب کیا
پانی دیا نہ شمر نے تو مجھ سے یہ کہا

اُسدم تمہارے بھائی کو غش آیا جو زین پر
مجھ سے کہا کہ ٹیک دے گھٹنے زمین پر

اے گھوڑے روکیو تو درِ خیمہ گاہ کو
زینبؑ نہ دیکھے یوں میرے حالِ تباہ کو

جب خلد میں پہنچے رفقائے شہِ بیجا
لٹنے لگا گلزارِ جنابِ اسد اللہ
دنیا سے گئے زینبِ ذیجاہ کے دو ماہ
روتے تھے انہیں شاہ کہ مارا گیا نوشاہ

دریا کے قریں تشنہ دھن بیٹے کا مرنا
کھائے ہوئے سینے پہ سناں بیٹے کا مرنا
سوکھی ہوئی دکھلا کے زباں بیٹے کا مرنا
اور ہائے ضعیفی میں جواں بیٹے کا مرنا

سیدھی نہ ہوئی جھک کے کمر سبطِ نبی کی
عباسؑ کا مرنا تو شہادت تھی علیؑ کی

دو داغ ہیں یکساں جو جلاتے ہیں جگر کو
اب بھائی کو روئیں کہ برابر کے پسر کو

برباد جب مرقعہء خیر النسا ھوا سوکھی زباں حسینؑ تو سب کو دکھاتے تھے
یعنی قلم قلم چمنِ مرتضٰی ہوا واں جبرئیل آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے
پھر اقتل الحسین کا غل جا بجا ہوا یاں نیزہ کھا کے گھوڑے پہ شہ ڈگمگاتے تھے
سبطِ نبیؐ پہ نرغہء اہلِ جفا ہوا واں حاملانِ عرشِ بریں کانپ جاتے تھے

زہرا کا چاند شام کے بادل میں گھر گیا جنت میں تھا یہ حال رسولانِ نیک کا
خنجر قلق کا زہرا کے دل میں اتر گیا بے تیغ کٹ رہا تھا گلا ایک ایک کا

گھوڑے سے پھر زمیں پہ گرے شاہِ دیں پناہ زینبؑ نے بال کھول کے رن کو قدم بڑھائے
آیا سرہانے تیغِ بکف شمرِ رُوسیاہ سیدانیاں بھی ساتھ چلیں گردنیں جھکائے
بولا گلا کہ میں ہوں پیمبرؐ کی بوسہ گاہ زینبؑ پکاری ہائے میرے بھائی جان ہائے
بیٹھا وہ اُس جگہ کہ نہیں جائے شرح آہ بھیا پکار لو یہ بہن کس طرف کو جائے

اس ظلم سے جو چرخِ کہن کانپنے لگا بھیجوں کسے تلاش کو سب میرے مر گئے
ایسا حسینؑ تڑپے کہ رن کانپنے لگا ڈھونڈے بہن کہاں میرے بھائی کدھر گئے

کٹتی تھیں واں گلے کی رگیں کون دے جواب　　ہر بی بی بال کھولے ہوئے خاک اڑاتی تھی
ریتی پہ لوٹ لوٹ کے بولی وہ دل کباب　　پر زوجہء حسینؑ کو کچھ بن نہ آتی تھی
اے آسماں کہاں ہے حسینِؑ فلک جناب　　جب سر کے کھولنے کے لئے ہاتھ اٹھاتی تھی
اے آفتاب کیا ہوا زہراؑ کا ماہِ تاب　　تب دل ہی دل میں سوچ کے یہ کہتی جاتی تھی

کہہ اے فرات پیاسوں کا سلطاں کدھر گیا　　زینبؑ کہاں ہے اور شہِ عالی کو کیا ہوا
اے کربلا بتا تیرا مہماں کدھر گیا　　بارِ الٰہ بتا میرے والی کو کیا ہوا

زینبؑ پکاری آؤ گلے سے لگاؤں میں
ماں نے دلہن بنایا تھا بیوہ بناؤں میں
آؤ جبیں پہ خاک ملوں نتھ بڑھاؤں میں
مانگو دعا زمین پھٹے اور سماؤں میں

ہے ہے بچھڑ کے گورِ کنارے گئے حسینؑ
جیتی ہوں اور سنتی ہوں مارے گئے حسینؑ